OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

فلسفۂ بے خودی کے منتخب مباحث: تحقیقی مطالعہ

Selected Topics of Philosophy of Selflessness: Research Study

Dr. Muhammad Amir Iqbal
Assistant Professor, Department of Urdu, University of Sialkot
Dr. Sabina Awais
Assistant Professor, Department of Urdu, GC Women University Sialkot
Maria Bilal
Lecturer, Department of Urdu, University of Sialkot

Abstract

Iqbal's thoughtful views has given a cosmetic sense to our knowledge. Iqbal explained the meaning of self. Iqbal also presented the philosophy of selflessness. The interrelationship between the individual and the nation is central part of this philosophy. According to Iqbal, development of an individual is not possible without commitment to the nation. Iqbal sheds light on the basic tenets of the Islamic nation. He declared Tawheed as the first pillar. Iqbal says that the wisdom has found its destination due to Tawheed. The second pillar is the Risalat. These two components play an important role in the training of workers for the expansion Islamic rules. Iqbal has strengthened his thinking with reference to Quranic verses and explains his thoughts by giving sub-headings. The study concluded that the promotion of Iqbal's philosophy of selflessness is inevitable for the development and expansion of Islamic Rules.

Key Word: Secrets of self, Philosophy of selflessness, Tawheed, Risalat, Nation of Islam, Unity

تمہید

اقبال کے فکر و تدبر نے ہمارے علم و آگہی کو رعنائی عطا کی ہے۔ اقبال نے خودی کے مفہوم کی وضاحت کی۔ کلامِ اقبال میں خودی سے متعلق بہت سے اشعار موجود ہیں۔ اقبال نے بے خودی کا فلسفہ بھی پیش کیا۔ اس میں فرد اور ملت یا جماعت کے باہمی ربط کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اقبال کے مطابق ملت سے وابستگی کے بغیر فرد کی نشو و نما ممکن نہیں۔ اقبال نے ملتِ اسلامیہ کے بنیادی عقائد پر روشنی ڈالی ہے۔ توحید کو رکنِ اول قرار دیا۔ اقبال کہتے ہیں کہ عقل کو توحید کی بدولت منزل کا سراغ ملا۔ دوسرا

CC BY

رکن رسالت ہے۔ یہ دو ارکان ملتِ اسلامیہ کی توسیع کے لیے کارکنان کی تربیت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اقبال نے قرآنی آیات کے حوالوں سے اپنے افکار کو مستحکم کیا ہے۔ ذیلی عنوانات دے کر اپنے خیالات کی تفصیل بیان کی ہے۔ ان مباحث کے مطالعہ سے اقبال کے افکار سمجھنے میں سہولت رہتی ہے۔ تمام موضوعات کا مطالعہ تحقیق و تنقید کے لیے نئی راہیں استوار کرتا ہے۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال حکیم الامت ،ترجمانِ حقیقت اور شاعر مشرق کے القاب سے متصف تھے۔ آپ کے عہد آفریں افکار ہمارے قلوب و اذہان کو فیضِ روح افزا سے منور فرماتے ہیں۔ ان کی فکرِ با تدبیر نے ہمارے علم و آگہی کو رعنائی عطا کی ہے۔ خواب خرگوش میں مدہوش افراد کی بیداری کلامِ اقبال کی قرأت کے نتیجہ خیز ہونے کی دلیل ہے۔ فکر و فلسفہ کی دل آویزی ہو، الفاظ اور معانی کا ارتباط ہو، ادبی اصطلاحات کا دل نشیں پیکر ہو، نظم و غزل کے اختلاط کا اعجاز ہو، تقریر و تمثیل کی تفصیل ہو، ہر میدان میں فکر اقبال سے راہنمائی میسر آتی ہے۔ اقبال ہماری تخلیقی تاریخ کے معمارِ بے مثال ہی نہیں بلکہ تفکر و تدبر کی صبح درخشاں اور شعری کارواں کے سنگ میل ہیں۔ آپ کی نظم سرائی نے فن کی آبرومندی میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔ اقبال کے سبب بہت سے موضوعات، جذبات و محسوسات کے ترجمان بن کر مقبولِ عام کا درجہ پاگئے۔ اقبالیاتی ادب کے بحرِ بے کراں میں ذہنی تسکین اور معاملات کی تفصیل کے پوشیدہ پہلو تحقیق و تنقید اور تصدیق کے لیے" چشم ما روشن-دل ما شاد " کہہ رہے ہیں۔ اقبال کے فکر و پیغام کی ترسیل اور اشاعت کے لیے جنوں کی حد تک محبت کرنے والے اپنا اخلاقی فریضہ انجام دینے میں کوشاں دکھائی دیتے ہیں۔ اقبال کی فکر و نظر خود ان کے فکر و فہم اور آگہی کا نتیجہ ہے جو مشرق و مغرب کے سر چشموں سے سیراب ہوا ہے۔ فکر اقبال میں غوروفکر بھی ہے اور تحقیق و تنقید بھی۔ فکرِ اقبال کی متوازن اور معتدل مزاج پہلو سے تفسیر و تعبیر ہم سب پر واجب ہے۔ اقبال کا پیغام ایک کائناتی حقیقت بن کر سامنے آتا ہے جسے ہر فرد اور ہر قوم کا لائحہ عمل کہا جا سکتا ہے۔ اقبال نے بڑی محبت اور عقیدت بھرے الفاظ سے اپنی بصیرت کا تذکرہ کیا ہے۔ سعیٔ پیہم اور جہد مسلسل کے متعلق اقبال کے تصورات اس انداز سے ہمارے سامنے آتے ہیں کہ تعلیم و تربیت کا مرحلہ طے کرتے ہوئے جزوِ جاں بن جاتے ہیں۔ اس دانائے راز نے بادِ صبح گاہی سے خودی کا پیغام وصول کیا۔ خودی کا عرفان حاصل کیا اور ہمیں بتایا کہ جو خودی رہی تو بادشاہی اور اگر نہ رہی تو تم رو سیاہ ہو گئے۔ اقبال نے خودی کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا۔

> "لفظ خودی کے متعلق ناظرین کو آگاہ کرنا ضروری ہے کہ یہ لفظ اس نظم میں بمعنی غرور استعمال نہیں کیا گیا جیسا کہ عام طور پر اردو میں مستعمل ہے۔ اس کا مفہوم محض احساسِ نفس یا تعینِ ذات ہے"1

اقبال کے نزدیک" خودی "ایک لازوال حقیقت ہے اور وہی افراد اور اقوام حقیقی معنوں میں توقیر پاتے ہیں جن کی انفرادی اور اجتماعی خودی مستحکم ہو۔ بالِ جبریل میں اقبال فرماتے ہیں:

خودی میں گم ہے خدائی تلاش کر غافل — یہی ہے تیرے لیے اب صلاحِ کار کی راہ
خودی کی شوخی و تندی میں کبر و ناز نہیں — جو ناز ہو بھی تو بے لذتِ نیاز نہیں

اسی طرح" ضرب کلیم "میں اقبال فرماتے ہیں:

خودی کی پرورش و ترتیب پر ہے موقوف — کہ مشتِ خاک میں پیدا ہو آتشِ ہم سوز
خودی میں ڈوب، زمانے سے بے امید نہ ہو — کہ اس کا زخم ہے درپردہ اہتمام رفو

فلسفۂ خودی کے بیان میں اقبال نے چند ایسے امور پر روشنی ڈالی ہے جو فضیلت کا باعث ہوں۔ اس کے مقابلے میں خودی کو کمزور کرنے والا اور اس کی ترقی میں رکاوٹ بننے والا کام اخلاقی خرابی کا باعث بنتا ہے۔اقبال نے انسانی خودی کو بندگی اور عبدیت کے آداب سے آگاہ کیا ہے۔ اقبال کا تصورِ خودی اُم الفضائل ہے۔ اقبال کے فلسفہ خودی میں روحانی اور مادی امور کا اجتماع دیکھا جا سکتا ہے۔اقبال نے فخریہ طور پر کہا ہے:

؎پس از من شعر من خوانند و دریا بند و جہانے را دگرگوں کردیک مردِ خود آگا میگویند ہے2

میری موت کے بعد جب لوگ میرے اشعار پڑھیں گے انہیں سمجھیں گے اور پھر یہ کہیں گے کہ ایک مردِ خود آگاہ نے دنیا کو دگرگوں کر دیا، بے تاب کر دیا۔ تہ و بالا کر دیا ہے۔ اپنی شاعری سے لوگوں میں انقلاب کی فکر پیدا کردی ہے۔فکر اقبال کی روشنی میں خودی کا حامل کوشش، جدوجہد اور عمل کا پیکر ہوتا ہے۔ جس کی خودی جتنی بلند ہوگی وہ اتنا ہی آبرو مند ہوگا۔ فرد،دراصل ملت یا جماعت کا حصہ ہے۔ چنانچہ فرد اور ملت یا جماعت کے باہمی ربط کے قانون کو اقبال نے" بے خودی "کہا ہے۔ اقبال نے خودی کے لفظ کی وضاحت کی اور ساتھ ہی یہ کہا:

"مرکب لفظ بیخودی میں بھی اس کا یہی مفہوم ہے"3

اقبال کے نزدیک بے خودی سے مراد فرد کا ملت میں ضم ہو جانا ہے۔ فرد ملت کی محبت میں اپنے اختیارات سے دستبردار ہوجاتا ہے۔ فلسفۂ بے خودی گویا اقبال کے فلسفۂ خودی کی توسیع ہے۔ جسے فلسفۂ خودی کا تکملہ بھی سمجھا جاتا ہے۔ اجتماعی نظام اور اجتماعی ضبط و آئین کے بغیر خودی کا فروغ ممکن نہیں۔

ملت سے وابستگی کے بغیر فرد کی نشوونما ممکن نہیں۔ اجتماعیت کے بغیر فرد کی صلاحیتیں رو بہ کار نہیں آسکتیں۔ دونوں ایک دوسرے کی مدد سے استحکام پاتے ہیں۔ اقبال نے اپنے ایک خط میں بے خودی کی وضاحت کرتے ہوئے اکبر الہ آبادی کو لکھا تھا:

"مگر ایک اور بے خودی ہے جس کی دو قسمیں ہیں:

(۱)ایک وہ جو DYRIC POETRY کے پڑھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ اس قسم سے ہے جو افیون و شراب کا نتیجہ ہے۔

(۲)دوسری وہ بے خودی ہے جو بعض صوفیہ اسلامیہ اور تمام ہندو جوگیوں کے نزدیک ذاتِ انسانی کو ذاتِ باری میں فنا کر دینے سے پیدا ہوتی ہے اور یہ فنا ذاتِ باری میں ہے، نہ احکامِ باری تعالیٰ میں۔

پہلی قسم کی بے خودی تو ایک حد تک مفید بھی ہو سکتی ہے مگر دوسری قسم تمام مذہب و اخلاق کے خلاف اور جڑ کاٹنے والی ہے۔ میں ان دو قسموں کی بے خودی پر معترض ہوں اور بس۔ حقیقی اسلامی بے خودی میرے نزدیک اپنے ذاتی اور شخصی میلانات رجحانات اور تخیلات کو چھوڑ کر اللہ تعالی کے احکام کا پابند ہو جانا ہے۔ اس طرح پر کہ اس پابندی کے نتائج سے انسان بالکل لاپرواہ ہو جائے اور محض رضا و تسلیم کو اپنا شعار بنائے۔ یہی اسلامی تصوف کے نزدیک فنا ہے۔ البتہ عجمی تصوف فنا کے کچھ اور معنی جانتا ہے4

خودی جب خلوت سے باہر نکلتی ہے تو وہ اپنی رضامندی سے اپنے اختیارات کو محدود کر لیتی ہے اور اپنی شخصیت اپنی ہستی کو مٹا ڈالتی ہے۔ گویا فرد، جماعت کے مفاد کی خاطر اپنے مفادات سے دستبردار ہو جاتا ہے اور جماعت میں قوت و نظم پیدا کرنے کے لیے اپنے اختیارات اس کے سپرد کر دیتا ہے ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے اور شیطان جماعت سے بھاگتا ہے۔

؎ حرزِ جان کن گفتۂ خیر البشرؐ ہست شیطان از جماعت دُور تر 5

یہی فرمان ہماری جان کا تعویذ ہونا چاہیے ملت کے باعث کمال حاصل ہوتا ہے۔ اقبال نے کہا:

؎ فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں 6

اقبال نے مزید خوش الحانی سے فرمایا:

؎ افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا 7

اجتماعیت کا فقدان قوم کو کمزور بنا دیتا ہے آخر کسی طاقتور قوم کا غلام بنا دیتا ہے اقبال نے بار بار فرد کو یہ صلاع دی کہ وہ ملت سے اپنا تعلق مضبوط رکھے اقبال کی مثنوی رموزِ بے خودی۔ ۱۹۱۸ء میں منظر عام پر آئی۔ اس میں فرد کی خودی سے آگے بڑھ کر ملت کی بے خودی پر بحث کی گئی ہے مولانا روم کی لکھی گئی مثنوی کی طرز پر لکھی گئی یہ مثنوی اقبال کے الفاظ میں اسرار خودی کا دوسرا حصہ قرار پائی۔ رموزِ بے خودی کے ایک ہزار پینتیس اشعار ہیں۔ مولانا روم، نظیری نیشاپوری اور عرفی کے اشعار اس کل تعداد میں شامل نہیں ہیں۔ اقبال نے بہت سے موضوعات کی شکل میں یہ مثنوی مکمل کی۔

ملت اسلامیہ سے خطاب کرتے ہوئے اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہیں قوم کی خامیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کی ہے اقبال فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! حضور ﷺ کا دامن پھر سے تھام لو اور ان کی تعلیمات اور پیغام پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ تاکہ تم باوقار زندگی گزار سکو۔

اقبال فطرتاً اپنی قوم کو چاہتے تھے اپنی قوم کی عظمت اور سربلندی کے لیے خدا کے حضور ہر وقت دعا گو رہتے تھے ملت اسلامیہ سے مخاطب ہو کر اقبال کہتے تھے کہ تو جدوجہد اور عملِ پیہم سے بیگانہ ہو کر غلامی کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ میں تجھے اس خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے اپنی شاعری کا سہارا لے رہا ہوں۔

اقبال نے یہ پیغام عام کیا ہے کہ پوری ملت جب باہم متحد اور متفق ہو گی تو وہ دنیا میں آزاد اور باوقار زندگی بسر کرے گی اقبال کا کہنا یہ ہے کہ میرے بیان کردہ نکات خنجر سے بھی زیادہ تیز تر ہیں اور اگر میری بات سمجھ میں نہ آئے تو پھر ان سے دور ہی رہ۔ اقبال نے ملت اسلامیہ کے بنیادی عقائد پر روشنی ڈالتے ہوئے توحید کو رکن اول قرار دیا۔ اس مادی دنیا میں عقل گھومتی پھری۔ اقبال کے یہ قول اسے توحید کی بدولت منزل کا سراغ ملا۔

خودی کے تین مرحلے ہیں۔ ۱۔ اطاعت الٰہی، ۲۔ ضبط نفس، ۳۔ نیابت الٰہی

جن افراد کے خودی بلند ہوتی ہے وہ اس مقام تک جا پہنچتے ہیں کہ خدا ان سے ان کی رضا پوچھتا ہے پھر ان بیدار لوگوں کی ایک جماعت معرضِ وجود میں آتی ہے یہ جماعت ملت اسلامیہ کی تشکیل و توسیع کے لیے اہم کردار ادا کرتی ہے اس طرح تصورِ بے خودی کو فروغ حاصل ہوتا ہے بے خودی کے استحکام میں توحید اور رسالت اہم کردار ادا کرتے ہیں یہ دو ارکان ملت اسلامیہ کی توسیع کے لیے کارکنان کی تربیت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ توحید کے پھر کچھ مزید توضیحی نکات ہیں۔

توحید سے مایوسی اور ناامیدی کا خاتمہ ہوتا ہے اقبال نے قرآن پاک کی سورت زمر کی آیت کا حوالہ دیا ہے "لاتقنطو" تم اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو جاؤ۔ اسی طرح "لا تحزن" کا حوالہ دیا ہے۔ جب غار ثور میں حضرت محمد ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ "غم نہ کر۔ بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے" (سورۃ توبہ)

اقبال نے جگہ جگہ قرانی حوالوں سے اپنی بات کو باوزن بنایا ہے۔ اقبال نے واضح کیا ہے کہ خوشامد، کینہ، مکر، فریب، یہ سب خوف سے ہی فروغ پاتے ہیں۔ اقبال نے شمشیر کی صفات بیان کی ہیں۔ حوریں بھی اس کے جوہر پر نثار ہیں۔ ذوالفقار کا شمار اس کے آباء میں ہوتا ہے بے خودی کا یہ مرحلہ خوف سے نجات کا درس دیتا ہے صرف حق تعالیٰ کا خوف دل میں ہونا چاہیے دنیا کا خوف دل سے نکال دینا چاہیے۔

؎ خوفِ حق عنوانِ ایمان است و بس　　خوفِ غیر از شرک پنہان است و بس 8

ملت اسلامیہ کے بنیادی ارکان میں دوسرا رکن رسالت ہے۔

ملت اسلامیہ کا وجود رسالت کے طفیل ہے اقبال کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کا نقش دوسرے انبیاء کے لیے راہنما ہے رسالت کی وضاحت کرتے ہوئے اقبال نے کہا کہ رسالت ہی سے دنیا میں ہماری تکوین ہوئی اور رسالت ہی سے ہمارا دین اور آئین وابستہ ہے۔ ملت اسلامیہ کا وجود رسالت کے طفیل ہے۔ زندگی کے تمام ضابطے اور قوانین جو سراسر انسانیت کے علم بردار ہیں، رسالت ہی کی بدولت ہیں۔ رسالت ہی کی بدولت ہم لاکھوں کروڑوں افراد ایک وحدت کی صورت ہو گئے۔ رسالت سے تعلق ہی کی وجہ سے ہم ایک ملت ہیں۔ حضور ﷺ "خاتم النبیین" رحمت اللعالمین ہیں۔ آپ ﷺ ہی کے حوالے سے ملتِ اسلامیہ دنیا بھر کے لیے رحمت کا پیغام ہے۔ نبی کریم ﷺ کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینا گویا مر جانا ہے قوم یا ملت کا وجود حضرت محمد ﷺ کے دم سے قائم ہے۔ رسالت ہی کے طفیل ہم نہ صرف ہم نوا بن گئے بلکہ ہم نفس اور ہم مدعا بن گئے۔ دنیا میں انسان ہی انسان کی غلامی پر مامور نظر آتا ہے قیصر و کسریٰ کی شان و شوکت تھی۔ انسان غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ کاہن، پاپا اور سلطان و امرا گویا سیکڑوں شکاری تھے جو ایک شکار کو دبوچے ہوئے تھے۔ کلیسا میں آسمان کی سی بلندی پر بیٹھا پادری عاجز اور بے بس شکار کے لیے ہر وقت کندھے پر جال رکھے ہوتا بے بس عوام کو گویا جنت کا پروانہ یا اجازت نامہ دے کر اس کی جیبیں خالی کرتا۔

ہندوؤں کے مذہبی پیشوا، برہمن نے ان کی کیاری سے پھول توڑ لیے جب کہ آتش پرستوں نے ان کے کھلیان کو آگ کی نظر کر دیا۔ غلامی کی وجہ سے عام انسان کی فطرت میں پستی آچکی تھی یہاں تک کہ ایک امینؐ نے حقداروں کو ان کا حق عطا کر دیا ۔ حضرت محمد ﷺ نے اس سارے ظلم و ستم اور ان ناجائز فائدہ اٹھانے والوں کا خاتمہ کر دیا اور عملاً بتا دیا کہ سب انسان برابر ہیں کوئی کسی دوسرے سے برتر نہیں۔ یوں عام انسانوں کو بھی عزت اور ترقی عطا فرمائی۔ اقبال نے تمام رسولوں اور نبیوں کو اس امت کے اجداد قرار دیا اور خدا کے نزدیک افضل اور برتر اسے کہا جو پرہیز گار ہے۔ اقبال نے بوعبید اور سلطان مراد کی مثال دے کر اسلامی اخوت اور مساوات اسلامی کا نمونہ دکھایا۔

ایک جنگ میں ایرانی بادشاہ کا سپہ سالار ایک مسلمان لشکری کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ وہ آتش پرست سپہ سالار بہت چالاک، بہانے باز، شاطر اور فریبی تھا۔ اس نے اپنا نام اور عہدہ نہ بتایا۔ اور جان بخشی کی درخواست کی۔ مسلمان سپاہی نے اپنی تلوار نیام میں ڈالی اور اس قیدی کو کہا، تیرا خون گرانا مجھ پر حرام ہے۔ جب ایرانی فوج کو شکست ہوئی تو یہ راز کھل گیا کہ وہ قیدی دراصل "جابان" ہے جو ایرانی فوج کا سپہ سالار ہے۔ مسلمانوں نے اپنے لشکر کے سردار بوعبید سے درخواست کی کہ جابان کو قتل کر دیا جائے۔ بوعبید دلیر اور جرات مند سالار تھا جو اکیلا ہی دشمن کی فوج میں جا گھستا تھا۔ بوعبید نے فرمایا۔ اے مسلمانو! ہم سب مسلمان ہیں ہم ایک ہی ساز کے تار ہیں۔ ایک ہی ملت کے افراد ہونے کے باعث ہمارے مقاصد اور خواہشات وغیرہ سب ایک ہیں۔ گویا ہم سب برابر ہیں۔ ہم میں سے ہر کوئی ملت کا امین ہے۔ اس ملت کے ایک فرد کی اگر کسی سے صلح ہے یا کسی سے دشمنی ہے تو وہ ملت ہی کی صلح اور دشمنی قرار پاتی ہے۔ گویا یکسانیت میں سب برابر ہیں۔ اگرچہ ایرانی فوج کا سپہ سالار جابان ہمارا دشمن ہے لیکن چونکہ ایک مسلمان سپاہی نے امان دے دی ہے۔ اس لیے اے افضل انسان جماعت یعنی ملت اسلامیہ کے لوگو! اس کا

قتل سب مسلمانوں کی تلوار پر حرام ہے۔ ایک مسلمان لشکری نے جو کچھ کیا ہے وہ گویا ملت ہی کا کام ہے۔ اس لیے اس شخص کو قتل کرنا جائز نہ ہو گا۔ اس سے یہ واضح ہے کہ ایک مسلمان کا وعدہ پوری ملت اسلامیہ کا وعدہ ہوتا ہے۔ اس لیے ملتِ اسلامیہ اپنی ترکیب میں خاص ہے۔

اقبال نے سلطان مراد اور معمار کی مثال پیش کی ہے۔ سلطان مراد نے ایک ماہر معمار سے مسجد کی تعمیر کرائی تھی۔ مسجد کے مکمل ہونے کے بعد وہ مسجد پسند نہ آئی۔ سلطان مراد نے معمار کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ معمار زخمی ہاتھ لے کر قاضی کی عدالت میں گیا۔ اور قرآن کی رو سے انصاف کا فیصلہ طلب کیا۔ قاضی نے سلطان مراد کو بلایا۔ قرآن کریم کا نام سن کر بادشاہ پر خوف طاری ہو گیا۔ اس نے شرمندہ ہو کر اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ اور اپنا ہاتھ آستین سے نکال کر آگے کر دیا۔ دعویدار یہ سب دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا۔ اس انصاف نے اسے خاموش نہ رہنے دیا۔ اس نے قرآنی آیت "بالعدل والاحسان" پڑھی اور بولا کہ میں اسے "سلطان کو" خدا کی خاطر معاف کرتا ہوں اور حضور پاک ﷺ کی خاطر بخشتا ہوں۔ یہ حضور پاک ﷺ کی شرع کے طفیل ہے کہ ایک عام آدمی کو عظیم شخصیت پر کامیابی حاصل ہوئی۔ قرآن کریم کے مطابق غلام اور آقا میں کوئی فرق نہیں دونوں برابر ہیں۔ بوریا اور اطلس کی مسند دونوں یکساں ہیں۔ ان احکامات کے بعد اقبال نے اسلامی حریت کی حقیقت اور حادثہ کربلا کے راز پر روشنی ڈالی ہے۔ اقبال نے مومن اور عشق خدا اور رسولؐ کو لازم و لازم قرار دیا ہے۔ اقبال نے عقل کو سنگدل کہا ہے۔ کیونکہ مومن اپنے مقاصد کی تکمیل کی خاطر اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے جبکہ عقل اس راہ میں دشواریاں پیدا کرتی ہے ۔عقل اسباب کے چکر میں گرفتار رہتی ہے۔ جبکہ عشق میدان عمل میں چوگان کا کھیل کھیلتا ہے۔ عشق اپنا شکار اپنے زور بازو سے گراتا ہے جبکہ عقل کی ساری پونجی خوف اور شک و شبہ ہے۔ اقبال کے نزدیک عقل ہوا کی مانند ارزاں اور عشق کمیاب ہے۔ عقل کا سارا تعلق مادی دنیا سے ہے جبکہ عشق مادہ پرستی سے مکمل طور پر دور ہے۔ عقل کہتی ہے کہ خود کو پیش کر۔ عشق کہتا ہے اپنی آزمائش کر۔ عقل کہتی ہے خوش رہو آباد رہو جب کہ عشق کہتا ہے حق تعالیٰ کی غلامی کر کے ہر طرح کی مادہ پرستی اور باطل قوتوں کی غلامی سے آزاد ہو جا۔

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے　　عشق بیچارہ نہ ملّا ہے نہ زاہد نہ حکیم 9

اقبال نے فلسفۂ بے خودی میں حریت کو عشق کے لیے آرامِ جاں کا باعث قرار دیا ہے۔ واقعہ کربلا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نواسۂ رسولؐ کو عاشقوں کا امام قرار دیا اور کہا کہ انہوں نے باطل قوت کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کیا۔ ملتِ اسلامیہ میں حضرت امام حسینؓ کا مقام بہت بلند ہے۔ اقبال نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت امام حسینؓ کو خیر کی جبکہ فرعون اور یزید کو شر کی علامت قرار دیا۔ امام حسینؓ کے خون نے توحیدِ خداوندی کی تفسیر کر دی۔ یوں غافل ملت کو بیدار کر دیا۔ اقبال نے واضح طور پر یہ کہا ہے کہ قرآن کی رمز ہم نے حضرت امام حسینؓ سے سیکھی۔ ملک شام کی شان و شوکت، بغداد کی سطوت اور عظمت ختم ہو چکی۔ ادھر غرناطہ کا وقار بھی ہم بھول گئے۔ امام حسینؓ نے ایک طاغوتی قوت کے سامنے توحید کا نعرہ اور اللہ اکبر کی صدا بلند کی تھی وہ آج بھی ہمارے دلوں میں گونج رہی ہے۔ اقبال نے بادِ صبا کے ہاتھ یہ پیغام بھجوایا ہے کہ تو ہمارے آنسو حضرت امام حسینؓ کے روضۂ مبارک پر پہنچا دے۔

اے صبا اے پیک دور افتادگاں　　اشک ما بر خاکِ پاکِ او رساں 10

ملتِ اسلامیہ کی بنیاد توحید اور رسالت پر ہے۔ اس لیے یہ جغرافیائی حدود سے ماورا ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ ہمارا وجود کسی ایک مقام سے وابستہ نہیں ہے۔ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ نے اپنے وطن سے ہجرت فرما کر مسلم قومیت کی الجھی ہوئی گتھی کو سلجھایا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے آبائی وطن مکہ سے ہجرت کی اور مدینہ قیام کیا۔ آپ نے عملاً یہ ثابت کیا کہ مسلمان وطن یا جغرافیائی حدود کا قائل نہیں۔ اقبال نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ جغرافیائی حدود کے چکر میں نہ پڑیں۔ اس سے باہر نکلنے میں

عظمت اور سربلندی ہے۔ اقبال نے کہا کہ اے راہ رو تو جدید دور کے فریب سے ہوشیار رہ اور جدید دور جسے پوری تہذیب کہا جا سکتا ہے، اس سے بچ کر رہ۔ اقبال نے رموزِ بے خودی میں واضح کیا ہے کہ وطنیت کو ملت کی بنیاد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اقبال نے بھائی چارے کی فضا کو ختم کر دینے کی بنیاد ہی اس بات کو قرار دیا ہے کہ آج ملت کی تعمیر وطن پر کر دی گئی ہے۔ اقبال نے میکیاولی کی کتاب

"The Prince" پر تنقید کرتے ہوئے رموزِ بے خودی میں لکھا ہے کہ ہماری زمین میں جنگ و خونریزی کا بیج بو دیا۔

نسخۂ بہرِ شہنشاہاں نوشت در گِلِ مادانۂ پیکار کشت 11

اقبال کے فلسفۂ بے خودی میں تقلید اور اجتہاد کے حوالے سے بھی سیر حاصل کلمات سامنے آتے ہیں۔ زوال کے زمانے میں اجتہاد کی نسبت تقلید کہیں زیادہ بہتر ہے۔ عصر حاضر ایک تہذیبی بحران میں مبتلا ہے۔ آشوب کی اس گھڑی میں مسلم دانشوری کی کڑی آزمائش ہو رہی ہے۔ تہذیبوں کے تصادم کی اس فضا میں مغربی تہذیب و تمدن پر اقبال کی تنقیدی نگاہ سے ہم استفادہ کر سکتے ہیں۔ اقبال کا نظریہ تھا کہ جدید دور اپنے اندر کئی فتنے اور ہنگامے لیے ہوئے ہے۔ مغربی تہذیب کا دور دورہ ہے۔ اس کی وجہ سے سیاسیات، اخلاقیات اور دوسرے اہم امور پستی اور زوال کا شکار ہو چکے ہیں۔ مغربی تہذیب نے قدیم اقوام کی محفل کو درہم برہم کر دیا ہے۔ مسلمان اس تہذیب سے بری طرح متاثر ہو کر اپنے مذہب سے دور اور اپنے عظیم جذبوں سے محروم ہو گئے ہیں۔

اقبال نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم اپنے اسلاف کی راہ پر چل کر ملت اسلامیہ میں اتحاد پیدا کرو۔ ملت اسلامیہ جو کبھی متحد اور متفق تھی، اب بری طرح گروہوں اور فرقوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ یہ مادہ پرستی کا شکار ہو چکی ہے۔ اتحاد و اتفاق کے لیے لازم ہے کہ اللہ تعالی کی توحید پر پختہ ایمان ہو اور ہمارے اسلاف نے جس طرح مختلف مسائل کا حل ڈھونڈا تھا ہم ان کی پیروی کرتے ہوئے خود کو انتشار اور زوال سے بچائیں۔

زوال کے دور میں اجتہاد سے کام لینا اقبال کے نزدیک قوم کی بساط الٹ دینے کے مترادف ہے۔ اس سے قوم کو بہت نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اقبال کے نزدیک ہم پر دین کا راستہ تنگ ہو چکا ہے اس لیے کہ ہر بدبخت یا کم علم، دین کی رازداری اور علمبرداری کا دعویٰ کرتا نظر آتا ہے۔ ایسے دین دار تو دین کو بہت نقصان پہنچاتے ہیں اور آج جو دین اسلام کا حلیہ بگڑا ہوا ہے وہ ایسے ہی دینداروں کی جہالت کا نتیجہ ہے۔ اقبال نے اختلاف کو اتحاد و اتفاق کے لیے قینچی قرار دیا ہے۔ جس طرح قینچی کپڑے یا کاغذ کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے اسی طرح کسی ملت میں باہمی اختلاف اس کے انتشار کا باعث بنتا ہے جس سے ملت کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔

ملت اسلامیہ قران پاک سے وابستہ رہ کر اپنی بقاء کا سامان بھی کر سکتی ہے۔ اقبال نے سیرت کی پختگی کے لیے شریعت کو لازمی قرار دیا ہے، اقبال کا خیال یہ تھا کہ جب حضور پاک ﷺ کی شریعت ہاتھ سے جاتی رہی تو قوم بھی بقا کے بھید سے محروم ہو گئی ۔ اقبال نے فرمایا کہ اپنی زندگی کو ختم الرسل ﷺ سے منقطع نہ کرو۔

بیت اللہ شریف کے بارے میں اقبال نے کہا کہ ہماری توحید کا راز بیت اللہ سے وابستگی ہے۔ اس کا طواف کرنے سے ملت میں یگانگت اور اتحاد قائم ہے۔ اس کے تعلق سے ہماری کثرت، وحدت بنتی ہے اور اسی وحدت کے سبب ہماری پختگی ہے اور اس کی وجہ سے ہم محکم ہیں۔

اقبال نے مزید کہا کہ امت محمدیہ ﷺ کا نصب العین توحید کی حفاظت اور اشاعت ہے۔ ملی زندگی کی توسیع فطرت کے عناصر پر غلبہ پانے میں ہے۔ رموزِ بے خودی میں اقبال نے اس امر پر روشنی ڈالی کہ حیاتِ ملی کی توسیع اس بات پر ہے کہ دنیا کے نظام کی قوتوں کو مسخر کیا جائے۔ کائنات کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی شخصیت کو توسیع دی جائے اور پھر اس میں جو ممکنات پوشیدہ

ہیں۔ ان کا امتحان بھی مقصود ہے۔ دنیا میں انسان اللہ کا نائب ہے۔ لہٰذا فطرت کے عناصر پر اس کا حکم جاری ہوتا ہے کائنات کی اشیاء کا علم حاصل کرنے سے انسان کا مرتبہ بہت بلند ہوتا ہے اور اشیا کی حکمت سے آگاہ ہونا دراصل ان کا تحفظ کرنا ہے۔

اقبال کی مثنوی رموز بے خودی میں ملت کی خودی کا ایک عنوان بھی سامنے آتا ہے۔ اقبال کے نزدیک ملی حیات کی تکمیل اس طرح سے ہے کہ ملت، فرد کی مانند خودی کا احساس پیدا کرے اور اس کی تکمیل اس طرح سے ہو گی کہ ملی روایات کی حفاظت کی جائے اور اس پر عمل پیرا ہوا جائے۔ اقبال نے ایک نومولود کی مثال دی ہے۔ بچہ اپنی حقیقت سے بے خبر ہوتا ہے۔ پھر اس کا حافظہ اسے اپنی ذات سے متعارف کرواتا ہے۔ پھر اس کا جسم بڑھنے اور پھلنے پھولنے لگتا ہے۔ تازہ تازہ وجود میں آئی ہوئی قوم بھی بچے کی مانند ہے۔ وہ بھی نووارد کی طرح اپنی شخصیت سے بے خبر ہوتی ہے۔ جس طرح بچے کو کئی مراحل سے گزر کر اپنی شخصیت کا احساس ہوتا ہے۔ اسی طرح کئی نشیب و فراز سے گزرنے کے بعد قوم کو اپنے وجود یا اپنی خودی کا احساس ہوتا ہے پھر وہ بچہ اپنی زندگی کی آپ بیتی تیار کرتا ہے۔ ایسے ہی کسی قوم کی سرگزشت بھی تیار ہوتی ہے۔ دراصل ماضی کو یاد رکھے بغیر ترقی اور سربلندی ممکن نہیں۔ رموزِ بے خودی کے دیگر موضوعات کا مطالعہ بھی اہمیت کا حامل ہے۔

نتائجِ بحث

اقبال نے خودی کا فلسفہ پیش کیا انسانی خودی کو بندگی اور عبدیت کے آداب سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد بے خودی کا فلسفہ بھی پیش کیا۔ توحید اور رسالت کو بے خودی کے بنیادی ارکان قرار دیا۔ توحید سے مایوسی اور ناامیدی کا خاتمہ ہوتا ہے اور رسالت کے حوالے سے اقبال نے حضور ﷺ کا دامن تھام لینے کی نصیحت فرمائی۔ اقبال نے یہ پیغام دیا ہے کہ پوری ملت جب باہم متحد اور متفق ہو گی تو دنیا میں آزاد اور باوقار زندگی بسر کرے گی۔ قوم کے ایک فرد کا وعدہ پوری ملت کا وعدہ ہے۔ عدالتی احکامات سب کے لیے یکساں ہیں۔ سلطان کے ہاتھ کاٹنے کا حکم بھی قابلِ تحسین و تقلید ہے۔ حادثۂ کربلا، مومن، عقل، عشق جیسے موضوعات پر اقبال کے نظریات فلسفۂ بے خودی کا وصف ہیں۔ مستورات میں حضرت فاطمۃ الزاہراؓ کا کردار اور جوانوں کے لیے حضرت امام حسینؓ کا کردار قابلِ تقلید ہے۔ اجتہاد، اشیا کا علم اور سورۃ اخلاص کے موضوعات کا فلسفیانہ آہنگ اقبال کے فلسفۂ بے خودی کو دلچسپ بنا دیتے ہیں۔ ملتِ اسلامیہ کی تشکیل و توسیع کے لیے اقبال کے فلسفۂ بے خودی کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

References

[1] Iqbal, Asrar e Khudi, Arranged By, Shaista Khan, Faramosh shuda edition, New Delhi: Maktaba Jamia Limited , Feb 1993, Page-L

[2] Iqbal, Kuliat e Iqbal Farsi, Zabor e Ajam, Gazal 32, Lahore : Gulam Ali And Sons, Anarkali, 492.

[3] Iqbal, Asrar e Khudi, Arranged By, Shaista Khan, Page-L

[4] Iqbal, Kuliat e Makatib e Iqbal, Muratba, Part One, Syed Muzafar Husain Barni, Delhi : Urdu Academy , 5th edition, 730.

[5] Iqbal, Kuliat e Iqbal Farsi, Ramoz e Bekhudi, 86.

[6] Iqbal, Kuliat e Iqbal Urdu, Lahore : Iqbal Academy Pakistan, 6th edition 2004, 217.

[7] Iqbal, Kuliat e Iqbal Urdu, 713.

[8] Iqbal, Kuliat e Iqbal Farsi, 99.

[9] Iqbal, Kuliat e Iqbal Urdu, 389.

[10] Iqbal, Kuliat e Iqbal Farsi, 111.

[11] Iqbal, Kuliat e Iqbal Farsi, 116.